E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

Subject / Course - ISLAMIC STUDIES

Paper : Tasawuf Kalam Aur Falsafa

Module Name/Title : Ilmul Kalam ek Taruff

DEVELOPMENT TEAM	
CONTENT	DDE
PRESENTATION	Prof. Hameedullah Naseem Rafiabadi & Dr. Faheem Akhtar
PRODUCER	Mr Md Mujahid Ali

IMC MANUU
Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India
//imcmanuu

اکائی - 8 علم کلام معنی ومفہوم - آغاز وتاریخ

اکائی کے اجزاء

8.1 مقصد

8.2 تمہید

8.3 علم کلام ایک تعارف

8.4 علم کلام کی تعریف

8.5 علم کلام کی وجہ تسمیہ

8.6 علم کلام: آغاز وارتقاء

8.7 علم کلام کی تاریخ

8.7-1 علم کلام کا دور اول

8.7-2 علم کلام کا دور ثانی

8.7-3 علم کلام کا دور ثالث

8.7-4 علم کلام کا دور رابع

8.8 خلاصہ

8.9 نمونے کے امتحانی سوالات

8.10 فرہنگ الفاظ

8.11 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

8.1 مقصد

اس اکائی کا مقصد اسلامی عقلی علوم میں سے ایک علم کلام کے بارے میں طلبہ کو بنیادی اور ضروری معلومات فراہم کرنا ہے تاکہ طلبہ علم کلام کے تعارف کے ساتھ اس کی تاریخ اور ارتقاء سے پوری طرح واقف ہو جائیں۔ اسی طرح یہ بات بھی ان کے ذہن نشین ہو جائے کہ وہ کون سے حالات تھے جن میں علم کلام وجود میں آیا، اس کا نام علم کلام کیوں پڑا اور وہ کون سے مخصوص مسائل ہیں جن پر علم کلام میں بحث کی جاتی ہے۔ اس طرح توقع کی جاتی چاہئے کہ اس اکائی کے مطالعے کے بعد طلبہ کے اندر علم کلام کے تعارف وتاریخ کے ساتھ علم کلام کے بنیادی

مسائل سے بھی واقفیت پیدا ہو جائے گی۔

8.2 تمہید

بعض چیزیں انسان کو بہت زیادہ عزیز ہوتی ہیں۔ مذہب اور مذہبی عقائد کا تعلق بھی انہیں چیزوں سے ہے۔ جو چیز اس کو جتنی زیادہ عزیز ہوتی ہے اس کی حفاظت اور بقا پر وہ اتنی ہی زیادہ توجہ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مذہب خاص طور پر مذہبی عقائد کے معاملے میں ہمیشہ سے بہت زیادہ حساس رہا ہے۔ خواہ اس کا تعلق دنیا کے کسی بھی خطے اور علاقے سے ہو۔ مذہب اور مذہبی عقائد کے سلسلے میں مسلمانوں کا معاملہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ کیوں کہ مسلمانوں کو ایک علیحدہ شناخت مذہب ہی عطا کرتا ہے، ان کی قومیت میں مذہب کا عنصر شامل ہوتا ہے اور سچی بات یہی ہے کہ قوم مسلم کی تعمیر میں علاقے، نسل، آبادی اور ملک سے زیادہ کلیدی رول مذہب کا ہوتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں نے مذہب اور مذہبی عقائد کے تحفظ پر ہمیشہ خاص توجہ دی، اس کے لیے انہوں نے موقع پڑنے پر قوت کا استعمال بھی کیا اور جہاں تک ممکن ہوا عقل و دانش کو بھی کام میں لائے۔

اسلام وہ مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں دونوں کو بار بار عقل و خرد کے استعمال کی دعوت دیتا ہے۔ مذہب اسلام کی مقدس ترین کتاب قرآن مجید میں بڑی تعداد میں ایسی آیات موجود ہیں جن میں مالک حقیقی نے انسان کو عقل استعمال کرنے، کائنات پر غور وفکر کرنے اور خود اپنے وجود پر غور وخوض کرنے کی بار بار دعوت دی ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے ابتدائی دور سے ہی اور اپنے دور عروج میں عقل کا جس طرح استعمال کیا، دنیا کی کم قوموں نے کیا ہوگا۔ یہ بھی سچ ہے کہ عرب کے سادہ مزاج سماج میں جہاں کہ اول اول حضرت محمدؐ نے اسلام کی تعلیمات لوگوں کے سامنے پیش کیں، عقلی موشگافیوں کا گزر کم تھا۔ اس لیے اسلام کے دور اول میں ہمیں ایسی مثالیں نہیں ملیں گی جن میں بال کی کھال نکالنے کی کوشش کی گئی ہو۔ البتہ اس سادہ مزاج عرب سماج کو بھی قرآن مجید میں بار بار غور وفکر کی دعوت دی گئی اور انہوں نے اپنی ذہنی سطح پر قرآن مجید کی اس دعوت کو قبول بھی کیا۔ عباسی دور میں جب کہ اسلام نہ صرف یہ کہ جزیرہ نمائے عرب سے کافی دور تک پھیل چکا تھا بلکہ اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی طاقت بھی بن چکا تھا، اس کا سابقہ اس زمانے کی مختلف تہذیبوں اور مذاہب کے ماننے والوں سے پڑا جو اس وقت کی متمدن دنیا کہلاتی تھی۔ ان تہذیبوں اور مذاہب کے ماننے والے اسلام کی تلوار کے سامنے تو آسانی کے ساتھ سرنگوں ہو گئے۔ البتہ میدان جنگ کی شکست کا بدلہ انہوں نے اسلام پر فکری یلغار کے ذریعہ لینے کی کوشش کی۔ چونکہ اسلام نے لوگوں کی فکر پر تالہ لگانے کی کوشش کبھی نہیں کی اور عباسی دور میں تو فکری آزادی کے نام پر لوگوں کو کچھ زیادہ ہی ڈھیل مل گئی تھی۔ لہٰذا اس زمانے میں اسلامی عقائد پر مختلف جہتوں سے ایسے حملے ہوئے اور اس طرح کی نکتہ چینیاں سامنے آئیں کہ ضعیف العقیدہ لوگوں کے اعتقاد کی چولیں ہل گئیں۔ بہر حال اسی فکری آزادی اور غور و تدبر پر ابھارے جانے کے نتیجے میں خود مسلمانوں نے بھی بہت جلد وہ تمام علوم حاصل کر لیے جن کی بنیاد پر اسلام اور اس کے عقائد کو نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ خاص طور پر فلسفہ کے میدان میں انہوں نے ایسی مہارت حاصل کی کہ جن لوگوں سے انہوں نے یہ علم حاصل کیا تھا، انہیں کے خلاف اس علم کو استعمال کرنے کے اہل بن گئے۔ عقائد کے دفاع کے لیے مسلمانوں کی اس ساری تگ و دو کے نتیجے میں جو علم وجود میں آیا اسے دنیا آج 'علم کلام' کے نام سے جانتی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کو علم کلام کی جیسی ضرورت عباسی دور میں تھی آج بھی ہے۔ کیوں کہ ہر زمانے میں مختلف جہتوں سے اسلامی عقائد وعبادات پر اسی طرح عقلی اعتراضات کیے جاتے رہے

ہیں جیسے کہ پہلے کے زمانے میں۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ البتہ وقت اور حالات کے مطابق طرز بیان و ادا میں فرق پہلے بھی آتا رہا ہے اور آئندہ بھی آتا رہے گا۔

8.3 علم کلام ایک تعارف

علم کلام کو انگریزی زبان میں Scholasticism کہتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ مذہبی عقائد پر عقلی یعنی علمی و منطقی انداز میں بحث و گفتگو کی جائے۔ علماء نے مذہب سے متعلق علم کو تین مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ الہام یا وحی 2۔ علم کلام 3۔ فلسفہ۔

الہام یا وحی

الہام کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے کسی انسان (رسول یا نبی) کو علم دیا جائے اور وہ اسے لوگوں کے سامنے پیش کرے۔

علم کلام

علم کلام سے مراد مذہبی علم کا وہ شعبہ ہے جس میں مذہب کی الہامی تعلیمات (یعنی عقائد) کو عقل کی اصطلاحوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو مذہب پر یقین نہیں رکھتے، یا مذہب کو مانتے اور تسلیم تو کرتے ہیں لیکن اس کے یا اس کے عقائد کے بارے میں مختلف قسم کے عقلی سوالات کرتے رہتے ہیں، ان کو ان کے ذہن و عقل کے مطابق عقلی دلائل (دلیلوں) کے ذریعے مطمئن کیا جائے۔

فلسفہ

علم کلام کی طرح فلسفے میں بھی عقلی اصلاحوں اور دلیلوں سے بحث کی جاتی ہے، اور مذہبی عقائد کو عقلی انداز میں لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ البتہ فلسفہ اور علم کلام میں فرق یہ ہے کہ علم کلام میں الہامی علم (یعنی وحی کی تعلیمات) کو مقدس اور یقینی مانا جاتا ہے جب کہ فلسفے میں کسی بھی چیز کو اس طرح کا تقدس حاصل نہیں ہوتا۔ اور مذہبی عقائد کا ہر طرح کے تعصبات و تجربات سے اوپر اٹھ کر بالکل آزادانہ مطالعہ کیا جاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ علم کلام کے تحت جب ہم الہامی تعلیمات یا وحی وغیرہ کی بنیاد پر وجود میں آنے والے عقائد کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان پر بحث کرتے ہیں، تو جب بھی کہیں پر عقل اور وحی کے درمیان ٹکراؤ اور تصادم کی صورت پیدا ہوتی ہے تو اس صورت میں ایک متکلم کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ وحی کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متکلمین یا علمائے علم کلام کے نزدیک وحی انسان کے خالق و مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم ہے، اور اس حیثیت سے وحی حصول علم کا سب سے معتبر اور یقینی ذریعہ ہے۔ اس کے برعکس جب کوئی فلسفے کے تحت مذہبی عقائد کا مطالعہ کرتا یا ان پر غور و فکر اور بحث کرتا ہے تو عقل اور مذہبی تعلیمات (وحی) میں تصادم اور ٹکراؤ کی صورت میں ایک فلسفی کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ جو دلائل اس کی عقل میں آتے ہیں انہیں ترجیح دیتا ہے۔ کیوں کہ فلسفہ کے علماء کے خیال میں علم کا زیادہ معتبر اور یقینی ذریعہ انسانی عقل

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE * MANUU * Hyderabad-34. IMC LIBRARY

ہے۔علم کلام اور فلسفے کو جب ہم اس طور پر دیکھتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دونوں ہی علوم میں مذہبی عقائد و تعلیمات پر عقل کی روشنی میں غور و خوض اور بحث و مباحثہ ہوتا ہے۔البتہ دونوں کا موضوع ایک ہونے کے باوجود علم کلام میں وحی کو اور فلسفے میں عقل کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے جو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ علم فلسفہ کو مشرف بہ اسلام کر لینے کا نام علم کلام ہے۔

جس طرح علماء نے مذہبی علم کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اس طرح مذہبی (اسلامی) تعلیمات کو بھی انہوں نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے یعنی 1۔عقائد 2۔اخلاق 3۔احکام (فقہ)

1۔عقائد

عقائد سے مراد وہ مسائل اور معارف ہیں جن کا جاننا اور ان پر ایمان رکھنا واجب ہے۔جیسے توحید، اللہ تعالیٰ کی صفات، نبوت اور اس طرح کی دوسرے مسائل۔

2۔اخلاق

یعنی وہ آداب و اصول جو روحانی صفات، اور معنوی خصلتوں کے لحاظ سے انسان کو زندگی کے طور طریقے سکھاتے ہیں۔جیسے عدالت، تقوی، شجاعت، حکمت، استقامت، وفا، صداقت اور امانت وغیرہ۔

3۔احکام

یعنی انسان کے افعال و اعمال سے متعلق مسائل کہ کون سا کام کس طرح انجام دینا چاہیے۔جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ۔

جس علم میں عقائد بیان کیے جاتے ہیں اسے علم 'کلام' کہتے ہیں۔جس علم میں اخلاقیات سے بحث کی جاتی ہے اسے علم اخلاق کہتے ہیں اور احکام سے متعلق علم کو علم فقہ کا نام دیا جاتا ہے۔

یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جب تک اسلام عرب علاقوں تک محدود رہا، اس کے مذہبی عقائد اور اعتقادات پر زیادہ بحث و مباحثہ نہیں شروع ہوا تھا' اور نہ ہی ہر معاملے میں بال کی کھال نکالی جاتی تھی۔اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ عربوں کی ذہنی تشکیل عرب کے صحرائی ماحول میں ہوئی تھی' اور اس ماحول کا اثر یہ تھا کہ ان کے اذہان بہت ہی سادہ اور فطری انداز میں سوچتے تھے۔عرب زیادہ چوں چرا کرنے کے بجائے عمل پر زیادہ زور دیتے تھے۔عربوں کی یہ صورت حال عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین کے دور تک برقرار رہی۔بنوامیہ کے اقتدار کا ابتدائی زمانہ بھی ہمیں دقیق قسم کی فلسفیانہ بحثوں سے خالی نظر آتا ہے۔گو کہ اس وقت تک عالم اسلام کی سرحدیں کافی وسعت اختیار کر چکی تھیں' اور ایرانی، یونانی اور قبطی وغیرہ قوموں کے اثرات اسلام کے ماننے والوں میں سرایت کرنے لگے تھے۔لیکن چونکہ عہد بنوامیہ میں عربیت کا غلبہ اور اثر قائم رہا اس لیے ان خیالات کو زیادہ بال و پر نکالنے کے مواقع ہاتھ نہیں آئے۔البتہ اموی حکومت کے خاتمے کے بعد مسلم سماج کا مزاج بدلا' اور خاص طور پر ایرانیوں کا اثر و رسوخ نہ صرف حکومتی کاموں میں بلکہ سماجی امور میں بھی حد سے زیادہ

بڑھا' تو ایرانی افکار وخیالات نے مسلمانوں کے مذہبی امور کو بھی متاثر کرنا شروع کیا۔ اس کے علاوہ بنوعباس کے بیشتر حکمرانوں نے مذہبی معاملات میں آزادی کی روش اختیار کی۔ اس کی وجہ سے دوسری قوموں سے تعلق رکھنے والوں کو یہ موقع ملا کہ وہ اسلام کے مذہبی عقائد کو نشانہ بنائیں۔ اسی دوران ایک اہم کام یہ بھی ہوا کہ ایرانی، یونانی اور قبطی اقوام سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی معتد بہ تعداد مختلف وجوہ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی' اور چونکہ ان کے مزاج میں پہلے سے ہی اپنے مخصوص کلچر کے سبب مذہبی عقائد پر تنقید داخل تھی اس لیے انہوں نے یا ان کے زیراثر آنے والے مسلمانوں نے اسلام کے مذہبی عقائد کے بارے میں نکتہ آفرینیاں شروع کر دیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب عباسی دور میں اسلامی سماج پر عربوں کی گرفت کمزور ہوئی، دارالخلافہ عراق میں منتقل ہوگیا اور علم کی عمومی ترویج کی نتیجے میں بڑے پیمانے پر یونانی و دیگر زبانوں سے علوم وفنون عربی زبان میں منتقل ہوئے تو اس دوران وہ علوم بھی کثرت سے عربی زبان میں منتقل ہوگئے جن کا تعلق خالص دینی اور مذہبی عقائد کی بحثوں سے تھا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات، قضاوقدر، جزاوسزا، جبر وقدر اور ارادہ واختیار کے مسائل وغیرہ۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ گو اسلامی علم کلام کی بنیادی چیزیں کتاب وسنت اور عہد صحابہ کرامؓ میں ملتی ہیں لیکن اس کا باقاعدہ آغاز عباسی دور میں ہوا۔

عباسی دور ہی وہ زمانہ ہے جب اسلامی دنیا کے بڑے بڑے مراکز عرب علاقوں سے ہٹ کر عجمی علاقوں سے قریب مثلاً عراق، یا غیر عرب علاقوں میں منتقل ہوئے۔ اسلام کی بڑے پیمانے پر وسعت اور غیر عرب اقوام میں اس کی مقبولیت کے سبب مسلمانوں کا اختلاط عجمی قوموں سے ہوا یا جب انہوں نے خود اسلام کو قبول کر لیا تو ان کی جانب سے اسلام اور اس کے بنیادی عقائد پر مختلف طرح کے سوالات اٹھائے جانے لگے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عباسی دور میں عام لوگوں کو کافی مذہبی آزادی حاصل تھی۔ اسلامی عقائد پر ہونے والے حملوں کے بعد شدت کے ساتھ یہ ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ عقل کی بنیاد پر اسلامی عقائد پر جو سوالات قائم کیے جاتے یا اٹھائے جاتے ہیں ان کا جواب بھی عقلی انداز میں ہی دیا جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کے اندر علماء اور دانش وروں کا ایک ایسا گروہ وجود میں آیا جس نے نہ صرف یہ کہ فلسفہ ومنطق (جیسے عقلی علوم) کے رائج علوم حاصل کیے' بلکہ خود کو اس طرح آراستہ کیا کہ اسلامی عقائد اور احکامات کو منطقی اور عقلی اسلوب میں لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں۔ بنوعباس کی علمی سرپرستی کی وجہ سے مسلمانوں میں اس رجحان کو بہت زیادہ فروغ ملا' اور مسلمانوں کے اندر فلسفے کی ایک نئی شکل پروان چڑھی' جس کے تحت وجود میں آنے والے لٹریچر کو آگے چل کر 'علم کلام' کا نام دیا گیا۔ اور جن لوگوں نے اس میدان میں سبقت حاصل کی وہ بلاشبہ معتزلہ کا گروہ تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں متکلمین اسلام میں السابقون الاولون کا درجہ حاصل ہے۔

اس موقعہ پر ایک بات جو اچھی طرح ذہن نشین رکھنے کی ہے، وہ یہ کہ قدیم علم کلام یونانی فلسفیوں کی قیاسی منطق پر قائم تھا' یعنی یہ کہ ایک قیاسی مفروضے کو پہلے تسلیم کر لیا جاتا تھا اور پھر اس پر دلیل قائم کی جاتی تھی۔ اسی طرح قدیم زمانے میں بہت ساری باتوں کو مسلمہ حقائق کے طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ انہی فرضی مسلمات پر بات آگے بڑھتی تھی اور اسے قیاسی منطق کا نام دیا جاتا تھا۔ گو کہ اب اس طرح کی قیاسی منطق کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور موجودہ دور تجرباتی منطق کا ہے۔ اس لیے کئی بار بڑے ہی زور وشور کے ساتھ یہ بات کہی جاتی ہے کہ چونکہ موجودہ دور سائنسی تجربات کا ہے اس لیے جو بات براہ راست تجربے اور مشاہدے میں آئے اور ان کے ذریعے انسان کو اس کا علم حاصل ہو، حقیقی معنوں میں علم وہی ہے۔ اس بنیاد پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ اب ایک جدید اور سائنٹفک علم کلام وجود میں لانے کی ضرورت ہے اور قیاسی منطق کے بجائے سائنٹفک منطق کو استعمال کیا جانا چاہیے۔ بلاشبہ جدید ترقیات نے انسانی علم میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے اور موجودہ دور کو

Explosion of knowledge کا زمانہ کہا جاتا ہے۔لیکن مذکورہ خیال پورے طور پر اس لیے صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا کہ آج کے سائنسی تجربات کے ذریعے حاصل ہونے والا علم بھی یقینی نہیں ہے اور روزانہ کے تجربات ہمیں بتاتے ہیں کہ سائنس خود اپنے تجربات کو، جو کسی وقت حتمی اور یقینی باور کیے جاتے تھے، جھٹلاتی رہتی ہے۔اس لیے وقت کے ساتھ یہ تو کہا جائے گا کہ ایک ایسا علم کلام وجود میں آئے جو اس وقت کے حالات اور مذاق کے موافق اور مطابق ہو۔نہ سلف کے بنیادی اصولوں سے رشتہ توڑ لیا جائے اور نہ ہی ایسا ہو کہ وہی لکیریں ہم بھی پیٹتے رہ جائیں؛ بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک توازن قائم ہونا چاہیے اور وہ اس طرح کہ قدیم علم کلام کی کارآمد چیزیں لے کر انہیں جدید ضروریات اور تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا جائے۔ ہمارا جدید علم کلام جو وجود میں آیا ہے اس میں دو طرح کی خامیاں پائی جاتی ہیں۔ (1)۔ ایک تو یہ کہ بعض لوگوں نے متاخرین اشاعرہ کے فرسودہ اور دور ازکار رفتہ مسائل اور دلائل تک ہی خود کو محدود رکھا ہے۔(2)۔دوسرے کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے جدید مغربی تحقیقات اور خیالات کو ہی معیار حق بنالیا ہے اور پھر ان کے مطابق قرآن وسنت کو ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔جدید متکلمین اسلام میں بہت کم لوگ ایسے ملیں گے جنہوں نے قدیم وجدید کے درمیان توازن قائم رکھنے کی کوشش کی ہو اور خود بھی کسی قسم کا اجتہاد کیا ہو۔

8.4 علم کلام کی تعریف

ماہرین نے علم کلام کی بہت ساری تعریفیں کی ہیں، جن میں چند مشہور یہ ہیں:

1۔ علم کلام وہ علم ہے جس کے ذریعے انسان کو یہ قدرت حاصل ہوجاتی ہے کہ وہ دلیل وحجت قائم کرکے اور شکوک وشبہات کا ازالہ کرکے دینی عقائد کا اثبات کرے۔اور اس علم کا موضوع اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ہیں۔(صاحب کشف الظنون)

2۔ علم کلام وہ علم ہے جس کے ذریعے عقلی دلائل سے ایمانی عقائد پر حجت قائم کی جاتی ہے۔اور جو لوگ اعتقادات میں اہل سنت اسلاف سے روگردانی کرجاتے ہیں ان باطل نظریات رکھنے والوں کی تردید کی جاتی ہے اور ان ایمانی عقائد کا مرکزی نقطہ توحید ہے۔

3۔ علم کلام حقیقت میں جس چیز کا نام ہے وہ عقائد کا اثبات ہے اور علم کلام کی تاریخ میں یہی چیز جان سخن ہے(شاہ ولی اللہ)

4۔ علم کلام وہ علم ہے جو اسلام کے اصول دین کے بارے میں بحث سے گفتگو کرتا ہے۔یعنی یہ علم ہمیں بتاتا ہے کہ کون سی چیز اصول دین سے تعلق رکھتی ہے، اسے کس دلیل سے ثابت کیا جاسکتا ہے اور اس کے سلسلے میں جو شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں، ان کا کیا جواب ہے؟

ان تعریفوں کا خلاصہ یہ نکلتا ہے:

الف: دینی عقائد (اصول دین) کو عقلی دلیلوں کی روشنی میں پیش کرنا۔

ب: دینی عقائد کے بارے میں پیدا ہونے والے شک وشبہ اور غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا۔

جس طرح علم حدیث کے عالم اور ماہر کو محدث، فقہ کے عالم وماہر کو فقیہ اور تفسیر کے عالم وماہر کو مفسر کہتے ہیں۔اسی طرح علم کلام کے جانکار اور اس میں مہارت رکھنے والے کو متکلم کہتے ہیں۔

8.5 علم کلام کی وجہ تسمیہ

علم کلام کا نام 'علم کلام' کیوں رکھا گیا؟ اس سلسلے میں اس علم کے ماہرین و متکلمین کی رائیں مختلف ہیں۔

1۔ چونکہ عقائد کے سلسلے میں پیدا ہونے والا پہلا اختلاف کلام الٰہی کی نسبت سے پیدا ہوا۔ اس لیے اس کا نام علم کلام پڑا۔

2۔ علم کلام کو اس نام سے یاد کرنے کا سبب یہ ہے کہ یہ اپنے حامل کی قوت بیان واستدلال میں اضافہ کرتا ہے

3۔ چونکہ اس علم کے ماہرین اپنی بات کا آغاز ''الکلام فی کذا'' سے کرتے ہیں۔ لہذا اس کا نام بھی کلام رکھ دیا گیا۔

4۔ چونکہ علم کلام ان مباحث کے سلسلے میں بحث و گفتگو کرتا ہے جن کے بارے میں کچھ لوگوں کے خیال کے مطابق سکوت یا خاموشی ہی بہتر ہے، اس لیے اسے علم کلام کا نام دیا گیا۔

5۔ چونکہ علم کلام علم فلسفہ کے مقابلے میں ایجاد ہوا، اس لیے علم فلسفہ کی ایک شاخ علم منطق کا جو نام تھا وہی نام اس علم کا بھی رکھا گیا۔ کیونکہ کلام و منطق دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔

معلومات کی جانچ

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE LIBRARY MANUU
Accn. No BA-036
Date 03.08.2015
HYDERABAD

1۔ علم کلام سے کیا مراد ہے؟

2۔ علم کلام کی کوئی دو معروف تعریفیں بیان کیجیے۔

3۔ علم کلام کی وجہ تسمیہ بیان کیجیے۔

8.6 علم کلام: آغاز و ارتقاء

علم کلام کا آغاز کب ہوا اور کب اس نے مسلمانوں کے اندر رواج پانا شروع کیا اس سلسلے میں کوئی بھی بات قطعی اور یقینی طور پر نہیں کہی جاسکتی۔ البتہ یہ بات مسلم ہے کہ پہلی صدی ہجری کے نصف آخر میں جبر واختیار، قضا وقدر اور عدل جیسے کچھ کلامی مسائل مسلمانوں کے درمیان بحث و گفتگو کا موضوع بن چکے تھے۔ اور اس طرح کی بحثوں کی شاید سب سے پہلی درس گاہ حضرت خواجہ حسن بصری (وفات 110ھ) کی علمی مجالس تھیں۔ پہلی صدی ہجری کے نصف دوم کے دوران ہی معبد جہنی اور غیلان دمشقی جیسی شخصیتیں مسلمانوں کے درمیان گزری ہیں جنھوں نے انسان کی آزادی واختیار کی شدت سے حمایت کی۔ اسی طرح ان کے مقابلے میں کچھ لوگوں نے عقیدۂ جبر (انسان مجبور محض ہے) کی وکالت کی۔ اختلافات کا یہی سلسلہ آگے چل کر الٰہیات، طبعیات، اجتماعیات اور انسان و معاد سے مربوط دیگر مسائل تک پہنچ گیا۔

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے خلیفہ مہدی (مشہور عباسی حکمراں ہارون رشید کا باپ) نے علماء اسلام کو بلا کر یہ حکم دیا کہ مختلف حلقوں کی جانب سے مذہب اسلام اور اس کے عقائد کے بارے میں جو شکوک وشبہات وارد کیے جاتے ہیں ان کے جواب میں کتابیں لکھی جائیں۔

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE MANUU
IMC LIBRARY
Hyderabad-34.

البتہ اس وقت تک اس علم کا نام نہ تو علم کلام پڑا تھا نہ ہی اس نے باضابطہ ایک فن کی شکل اختیار کی تھی۔ زیادہ صحیح روایات کے مطابق عباسی خلیفہ مامون رشید کے زمانے میں معتزلہ کے گروہ نے اس علم (علم کلام) کی فلسفیانہ بنیادوں پر تدوین کی اور ان ہی لوگوں نے اس کا نام علم کلام رکھا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ گو علم کلام کی کچھ ابتدائی چیزیں پہلے سے مسلم معاشرہ میں موجود تھیں لیکن علم کلام کا مستقل ایک فن کی حیثیت سے نشو ونما دوسری اور تیسری صدی ہجری کے دوران اس وقت ہوا جب کہ مختلف تاریخی، سیاسی اور اجتماعی اسباب کے تحت اعتقادی مسائل پر خالص علمی و عقلی انداز میں بحث و مباحثے کا آغاز ہوا، اور اس موضوع پر کثرت سے کتابیں اور رسالے لکھے گئے۔

تاہم بعض علماء کے نزدیک علم کلام کی داغ بیل عہد عباسی سے بہت پہلے عہد رسالت مآبؐ میں پڑ چکی تھی۔ اور اسلامی اصولوں اور عقائد کے بارے میں استدلالی بحث و گفتگو کا آغاز خود قرآن مجید سے ہوا۔ اس نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے اگر علم کلام کو سادہ طور پر مخاطب کی ذہنی سطح کے مطابق اثبات عقیدہ کے معنی میں لیا جائے تو یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ علم کلام کا آغاز قرآن مجید کے نزول کے ساتھ ہی حضور نبی پاکؐ کے زمانے میں ہو گیا تھا۔ کیونکہ قرآن مجید نے جن بنیادی عقائد کی طرف دعوت دی۔ مثلاً خدا کا وجود، وحدانیت، رسالت، حیات بعد الموت وغیرہ (وہ سب علم کلام کے مباحث کا حصہ ہیں)، ایک طرف ان کے حق میں انسانی فطرت، مظاہر کائنات اور تاریخی واقعات سے نہایت واضح اور معقول دلائل فراہم کیے۔ اور دوسری طرف ان کے خلاف مشرکین نے جو اعتراضات کیے ان کو بھی رد کیا۔ ساتھ ہی قرآن مجید میں رسولؐ اللہ اور آپؐ کے اصحاب کو حکم دیا گیا کہ وہ غیر مسلم اقوام کے ساتھ احسن طریقے پر بحث و مباحثہ کریں۔ (سورہ نمل 120)۔ اس نقطہ نظر کے مطابق علم کلام کو یہ نام خواہ کسی بھی زمانے میں دیا گیا ہو' اس کی اساسیات قرآن مجید میں پہلے سے موجود تھیں' اور ان سے کام بھی لیا جاتا تھا۔

بعد کے ادوار میں جب علوم کی باقاعدہ تدوین کا کام شروع ہوا تو اعتقادی امور میں قرآن مجید کے دلائل، رسولؐ اللہ کے ارشادات، صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال کو بھی جمع کیا گیا۔ انہیں چیزوں کے ساتھ جب عباسی دور میں یونانی فلسفہ و منطق اور دوسری قوموں مثلاً قبطی، ایرانی اور ہندوستانی کے الٰہیاتی نظریات بھی ان میں شامل ہو گئے تو وہ مخصوص فن وجود میں آیا جو علم کلام کے نام سے مشہور ہوا۔ عباسی دور سے پہلے عقائد کے علم کو "فقہ اکبر" کے نام سے جانا جاتا تھا' اور اس کے مقابلے میں اسلامی شریعت کے احکام و مسائل کے علم کو فقہ اصغر کہا جاتا تھا۔ البتہ اس علم کو علم کلام کے نام سے شہرت عباسی دور میں حاصل ہوئی۔ اس طرح جب علم کلام کی درجہ بندی عمل میں آئی تو مذکورہ نقطہ نظر کے حامل علماء نے علم کلام کے ارتقائی مراحل کو چار بڑے ادوار میں تقسیم کیا' اور اس کا آغاز عہد رسالت مآبؐ و صحابہ کرامؓ سے کیا۔ دوسرے نقطہ نظر کے حاملین اسے تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور پہلے دور کو اس میں شامل نہیں کرتے۔

8.7 علم کلام کی تاریخ

1۔ عہد رسالت مآب و صحابہ کرامؓ کے دور سے مشہور تابعی حضرت حسن بصریؒ (متوفی 110ھ) کے زمانے تک۔

2۔ عہد عباسی میں معتزلی فکر کی ابتدا سے اس کے زوال (275ھ) کے زمانے تک۔

3۔ امام ابوالحسن اشعری (270 یا 260ھ۔324ھ) سے امام غزالی (متوفی 505ھ) کے زمانے تک۔

4۔ امام غزالی سے دور جدید تک

8.7.1 علم کلام کا دور اول

عہد رسالت مآبؐ میں اللہ کے رسول کی ذات ہی تمام مسائل کا حل تھی، جو بات بھی صحابہ کرامؓ کے ذہنوں میں کھٹکتی وہ آکر اللہ کے رسولؐ سے اسے دریافت کرلیا کرتے تھے۔ اسی طرح مخالفین اسلام کی جانب سے جو سوالات اٹھائے جاتے ان کا جواب بھی وحی کی صورت میں سامنے آجاتا تھا۔ صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں اس طرح کی علمی وفنی بحث نہیں ہوتی تھی جیسی کہ بعد کے ادوار میں ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے مزاج میں علمی بحث ومباحثہ نہیں بلکہ یقین کا حصول شامل تھا۔ صحابہ کرامؓ کے درمیان عقائد سے متعلق موضوعات پر قرآن مجید کے سادہ اور فطری انداز میں مذاکرہ ہوا کرتا تھا۔ اس مذاکرے کا مقصد مناظرہ بازی یا معلومات میں اضافہ نہیں بلکہ اپنے ایمان ویقین کو مزید پختہ کرنا اور اس کو مسلسل زندہ وتازہ رکھنا ہوتا تھا۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین کے زمانے تک عقائد کا لفظ بھی اصطلاح نہیں بنا تھا اور اس کی جگہ عام طور پر ایمان کا لفظ بولا جاتا تھا۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام کے زمانے تک علم العقائد کا نام اصلاً علم الایمان تھا۔ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کی مظلومانہ شہادت کے واقعے کے بعد مسلم سماج کے اندر جو سیاسی بحران پیدا ہوا اور جس طرح مسلم معاشرہ اختلاف وانتشار سے دوچار ہوا، اس کے نتیجے میں بعض (نئے) اعتقادی مسائل پر بحث کا آغاز تو ضرور ہوا، لیکن اس وقت بھی عام طور پر مسلم معاشرے پر صحابہ کرام کا سادہ مزاج ہی غالب رہا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دور صحابہؓ کا علم الکلام سادہ طور پر انہیں باتوں کی نصیحت اور تلقین کے اردگرد گھومتا رہا جن کا براہ راست یا بالواسطہ تذکرہ قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ صحابہ کرام کے دور کو ہمارے علماء نے عموماً سلف کا زمانہ کہا ہے اور اسے خیر القرون سے تعبیر کیا ہے۔ اس لیے اس دوران مسلم سماج کے اندر اعتقادی اور ایمانی مسائل پر جو مذاکرات (حصول یقین کے مقصد سے) ہوئے انہیں ہم سلفی علم کلام کا نام دے سکتے ہیں۔

8.7.2 علم کلام کا دور ثانی

علم کلام کے ارتقاء کا دوسرا مرحلہ یا دور فرقۂ معتزلہ کے ظہور کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ (بعض علماء علم کلام نے اسی دور کو پہلے دور کا نام دیا ہے)۔ اس سلسلے کے سب سے اہم واقعات میں واصل بن عطا (متوفی 131ھ 748ء) اور عمرو بن عبید (متوفی 142ھ/759) کے ذریعے بعض اعتقادی مسائل کا اٹھایا جانا ہے۔ مثال کے طور پر ان لوگوں نے حضرت حسن بصریؒ کی علمی مجلس (یا درس گاہ) میں گناہ کبیرہ کے مرتکب کے دائرہ اسلام میں رہنے یا دائرۂ اسلام سے خارج ہوجانے کے سلسلے میں سوال کیا اور ان کے جواب سے مطمئن نہ ہوکر (جو سلفی منہاج کے مطابق تھا) ان سے اختلاف کا راستہ اختیار کیا اور سلف کے طریقے سے ہٹ کر اس سلسلے میں ایک نیا نقطۂ نظر اپنایا اور پیش کیا۔ مسلم دنیا میں یہ وہ زمانہ ہے جب بنوامیہ کا سیاسی اقتدار اور دبدبہ بہت کم ہوگیا تھا۔ عباسیوں اور علویوں کے تعاون اور کوششوں سے اسلامی یا مسلم سماج میں غیر عرب عناصر کا اثر ورسوخ تیزی کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ یہ غیر عرب عناصر بالعموم یہودی، نصرانی اور مجوسی مذہبوں کے ماننے والے تھے اور گو کہ ان لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے اسلام بھی قبول کرلیا تھا لیکن ان کے فکر وعمل دونوں پر ان کے سابقہ مذاہب کا اثر بدستور قائم اور باقی تھا۔ (یہ اس وجہ سے بالکل فطری معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت وصحابہ کرامؓ کے زمانے کی طرح اب مسلم سماج کے اندر ان لوگوں کی تعلیم وتربیت کا وہ نظم باقی نہ رہا تھا جو ان کے فکر وعمل کی ژولیدگی کو دور کرکے انہیں صحیح اسلامی سانچے میں ڈھال سکتا۔) پھر جب عباسیوں کو اقتدار حاصل ہوا تو انہوں نے انہی غیر عرب عناصر کو بڑے بڑے سیاسی عہدے اور ذمہ داریاں سونپ دیں جو کہ بہرحال صحیح اسلامی تربیت کے ابھی

ضرورت مند تھے۔ (شاید یہ عباسی حکمرانوں کی مجبوری بھی تھی)۔ اسی کے ساتھ اس دوران ایک اہم کام یہ ہوا کہ اسی زمانے میں یونان، مصر، ایران اور ہندوستان کے بیشتر فلسفیانہ علوم اور ان کے مذہبی افکار ونظریات ایک طرف عربی زبان میں ترجموں کے ذریعے اور دوسری طرف ان قوموں کے ساتھ روزانہ کے میل ملاپ کے ذریعے مسلم سماج میں پھیلنا شروع ہوئے، جس کے فطری نتیجے کے طور پر مسلمانوں کے اندر بھی اسلامی عقائد اور تعلیمات کے بارے میں نئے نئے سوالات پیدا ہونے لگے۔ ان سوالات کا جائزہ جب اس زمانے کے فکری اور تاریخی تناظر میں لیا جاتا ہے تو واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً یہ سارے سوالات یہودی، نصرانی اور مجوسی ذہنوں اور ماحول کی پیداوار تھے۔ چونکہ اس زمانے کے بیشتر علماء اسلام اپنے مخصوص علمی اور فکری ڈھانچے میں اس طرح کے سوالات سے عام طور پر تعرض نہیں کرتے تھے یا ان کا مثبت یا منفی جواب دینے کو بالعموم بدعت خیال کرتے تھے۔ اس لیے علماء کا عمومی رویہ ان مسائل اور سوالات پر خاموشی کا رہا۔ ایک طرف علماء کا یہ رجحان اور رویہ تھا تو دوسری طرف معتزلہ کا گروہ تھا جس کی تشکیل کے عمل کا آغاز عہد اموی کے اواخر میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ معتزلہ کے گروہ نے خود اپنے حصار میں سمٹنے کے بجائے اسلامی عقائد پر وارد کیے جانے والے سوالات اور اعتراضات کے چیلنج کو نہ صرف یہ کہ قبول کیا بلکہ ان سوالات اور اعتراضات کا جواب انہی عقلی بنیادوں پر دینے کی اپنی سی کوشش کی جن پر کہ وہ کیے جاتے تھے۔ معتزلہ کے گروہ نے خود کو عقلی و منطقی علوم سے آراستہ کر کے عقل ومنطق کی روشنی میں ہی اس طرح کے ہر سوال کا جواب دینے کی جرأت مندانہ کوشش کی جو اسلامی عقائد پر وارد ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں جو نام سب سے زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے وہ مشہور معتزلی عالم ابوالہذیل علاف کا (235-131ھ) ہے۔ اس نے علم کلام میں سب سے پہلی کتاب لکھی۔ بعض علماء علم کلام (علامہ شبلی) نے ابوالہذیل علاف کو ہی صحیح معنوں میں علم کلام کا بانی قرار دیا ہے۔ اس نے علم کلام پر چھوٹی بڑی تقریباً ساٹھ کتابیں لکھیں' اور مختلف مذاہب کے ماننے والے علماء کے ساتھ کامیاب مناظرے بھی کیے۔ اس مرحلے میں معتزلہ کے گروہ نے علم کلام کی نہ صرف یہ کہ باضابطہ تدوین کی بلکہ مسلم دنیا میں اس کی ترویج واشاعت میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ چونکہ معتزلہ کو عباسی خلفاء کی سیاسی سرپرستی بھی حاصل تھی اور ان کی وجہ سے اس زمانے کے وزراء اور امراء بھی ان کی سرپرستی کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اس کا فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ یہاں تک کہ مامون، معتصم اور واثق جیسے خلفائے عباسیہ کے زمانے میں معتزلہ کا جادو اس طرح سر چڑھ کر بولنے لگا کہ انہوں نے اپنے افکار وخیالات کو ان لوگوں پر بھی مسلط کرنے کی کوشش کی جو کہ ان سے اتفاق نہیں رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے مخالفین کی زبان بندی کے لیے سیاسی رسوخ اور اقتدار کا ناجائز استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ تیسری صدی ہجری کے نصف اول تک معتزلہ کا زور قائم رہا۔ اس دوران ان لوگوں نے خلفاء اور امراء کی سرپرستی میں اسلام کے تمام بنیادی عقائد کی عقلی تشریح وتاویل کر ڈالی۔ اور سیاسی سرپرستی کا فائدہ اٹھا کر اپنے نظریات اور خیالات کو عام لوگوں پر زبردستی اور قوت کے زور پر تھوپنے کی بھی کوشش کی۔

8.7.3 علم کلام کا دور ثالث

عباسی خلیفہ متوکل کے زمانے میں معتزلہ کا گروہ سرکاری سرپرستی سے محروم ہو گیا اور نتیجے میں اس کا زور بھی ٹوٹنے لگا۔ اپنے مخصوص ذہنی اور فکری تناظر میں معتزلہ نے یہ کارنامہ تو ضرور انجام دیا کہ اس وقت اسلامی عقائد اور تعلیمات پر اٹھائے جانے والے سوالات و اعتراضات کا جواب اسی عقلی انداز میں دینے کی کوشش کی جس انداز میں کہ وہ وارد کیے جاتے تھے۔ البتہ دفاع اسلام یا حمایت اسلام کی ان کی

اس کوشش میں ایک کمی یہ تھی کہ انھوں نے عقل کے استعمال میں بے احتیاطی سے کام لیا۔ اور ایک بار جب عقل کا گھوڑا دوڑا دیا تو پھر اس کے راستے میں جو کچھ آیا اس کی بالکل پروا نہیں کی۔ یہاں تک کہ اپنے عقلی فیصلوں اور نتائج کو صحیح اور درست ثابت کرنے کے لیے وحی کی بے جا تاویل وتشریح سے بھی گریز نہیں کیا۔ جب تک ان کا زور قائم رہا صحیح فکر رکھنے والے علماء اسلام یا تو قید و بند اور تشدد کا نشانہ بنتے رہے یا پھر انہوں نے اقتدار کے خوف سے اپنی زبانیں بند رکھیں اور خاموش رہے۔

لیکن جب سرکاری سرپرستی سے محرومی کے سبب ان کا زور ٹوٹا تو وہ علماء جو اب تک حکومت کے ڈر اور خوف کی وجہ سے خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے، معتزلہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے ان کی تردید میں اپنا موقف ظاہر کرنا شروع کر دیا۔ لہذا یہاں سے علم کلام کے ایک نئے دور، تیسرے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اس دور میں علم کلام معتزلہ کی نری عقلیت پرستی کے دام سے نکل کر ایک ایسے مرحلے میں داخل ہوا جس میں عقل کا استعمال تو تھا لیکن عقل ونقل کے تصادم اور ٹکراؤ کی صورت میں نقل کو ترجیح حاصل تھی۔ اس مرحلے میں مسلم علم کلام کی جن لوگوں نے سب سے بہتر انداز میں نمائندگی کی ان میں ابوالحسن علی ابن اسماعیل اشعریؒ (متوفی 324ھ) اور ابومنصور محمد ماتریدیؒ (متوفی 333ھ) کے نام سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ ابوالحسن اشعریؒ کا تعلق خود بھی پہلے معتزلہ کے گروہ سے تھا۔ اور وہ معتزلہ کے اماموں میں شمار ہوتے تھے۔ بعد میں انہوں نے معتزلی عقائد سے توبہ کر لی اور سلف صالحین کا مسلک اختیار کر لیا۔ اگر غور کیا جائے اور زیادہ صحیح تناظر میں دیکھا جائے تو مسلم علم کلام کی اصلی تشکیل امام ابوالحسن اشعریؒ سے ہی شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ معتزلہ کا گروہ عقل اور وحی کے ٹکراؤ کی صورت میں عقل کو ترجیح دیتا تھا اور اس کے مطابق ہی وحی الٰہی کی تعبیر وتشریح بیان کرنے کی کوشش کرتا تھا اور معتزلہ کا یہ موقف بہر حال فلسفیوں سے زیادہ قریب تھا۔ امام ابوالحسن اشعری کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے علم کلام کے بنیادی مسائل، خدا کی ذات، صفات، جبر وقدر، کلام الٰہی، نبوت ورسالت اور امامت وغیرہ کی نئے سرے سے تشریح کی اور اس سلسلے میں عقل ونقل کے درمیان اعتدال وتوازن برتنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس طرح امام ابوالحسن اشعریؒ کے ذریعے ایک نیا علم کلام وجود میں آیا جو فکری سطح پر اہل سنت کے عقائد کی زیادہ صحیح ترجمانی کرتا تھا۔ ان کی اسی اولیت کی وجہ سے امام اشعری کو متکلمین اسلام کا امام کہا جاتا ہے۔ امام ابوالحسن اشعری نے اسلامی عقائد کی تشریح کرتے وقت سلف کے طریقے کو نظر انداز نہیں کیا۔ شاید یہی وجہ کہ علم کلام جسے معتزلہ کی تمام تر کوششوں کے باوجود مسلم سماج کے اندر اعتبار حاصل نہیں ہو سکا تھا امام ابوالحسن اشعری کی تشریحات کے بعد علم کلام کو عام مسلم سماج میں اچھی نظروں سے دیکھا جانے لگا۔ اور دیگر علوم کی طرح اسے بھی علوم اسلامی کی فہرست میں شامل کر لیا گیا۔ اور باقاعدہ طور پر اس علم کو مسلم دنیا کے مدارس میں پڑھایا جانے لگا۔ علم کلام کی تاریخ میں امام ابوالحسن اشعری کے شاگردوں اور ان کے مکتب فکر کے حاملین کو ''اشاعرہ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ امام ابوالحسن اشعری سے امام غزالی کے درمیان جتنے بھی متکلمین مسلمانوں کے اندر گزرے ہیں انہیں متقدمین کہا جاتا ہے۔

8.7.4 علم کلام کا دور رابع

پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں امام محمد الغزالیؒ سے علم کلام ایک نئے دور میں داخل ہوتا ہے جسے ہم علم کلام کے چوتھے دور سے تعبیر کر سکتے۔ امام محمد الغزالی اور ان کے بعد کے متکلمین اسلام کو متأخرین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ امام ابوالحسن اشعریؒ اور ان کے زمانے اور فوراً بعد متکلمین نے معتزلہ کی نری عقلیت پسندی سے تو علم کلام کو پاک کر دیا تھا اور عقل ونقل کے ٹکراؤ اور تصادم کی صورت میں نقل

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE • MANUU • Hyderabad
IMC LIBRARY

کو ترجیح دینے کی روایت کو بھی فروغ دیا تھا۔ البتہ وہ بہت سارے یونانی اصول جس کو معتزلہ نے بعینہٖ تسلیم کرلیا تھا۔ وہ متقدمین کے زمانے میں بھی باقی رہے اور ان لوگوں نے ان اصولوں کی جانچ پڑتال اور رد کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مثال کے طور پر یونانیوں کا بنایا ہوا اصول کہ دلیل اگر غلط ثابت ہو جائے تو نتیجے کے طور پر وہ بات بھی غلط ہو جائے گی جس کے لیے کہ وہ دلیل دی گئی ہے۔ مسلمانوں میں امام غزالیؒ شاید پہلے متکلم ہیں جنھوں نے اس طرح کے اصولوں پر کھل کر تنقید کی اور اسے ثابت کیا کہ دلیل کے غلط ثابت ہو جانے سے مدلول (جس پر کہ دلیل دی گئی ہے) غلط نہیں ہو جاتا۔ امام غزالیؒ کا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے علم کلام کو فلسفے کی بے جا آمیزش سے پاک کیا اور عقائد کے سلسلے میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کا ازالہ قرآن کے فطری انداز میں کرنے کی کوشش کی جو خود ان کے اپنے قول کے مطابق صحابہ کرام اور تابعین عظام کے دور میں رائج تھا۔ اس طرح امام غزالی نے علم کلام کو ایک نیا رخ دیا جو جدید دور کے آغاز تک جاری رہا، جب کہ یورپ کے صنعتی انقلاب اور سائنس کی ترقی کے نتیجے میں علم کلام قیاسی منطق کے دور سے نکل کر تجرباتی منطق کے دور میں داخل ہوا۔ چوتھے دور کے متکلمین میں آخری بڑا اور نمایاں نام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا ہے۔ شاہ صاحب کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے عقائد کے اثبات کے علاوہ احکام کے اسرار بھی بیان کیے جو ان سے پہلے کسی دوسرے متکلم نے نہیں کیا تھا۔ شاہ صاحب کی کتاب 'حجۃ اللہ البالغہ' اس کا شاہ کار ہے۔

دور جدید کے متکلمین میں سید جمال الدین افغانیؒ، سر سید احمد خانؒ، رشید رضاؒ، علامہ شبلی نعمانیؒ، محمد عبدہؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ناموں کو شامل کیا جاتا ہے جنھوں نے کہ اپنے زمانے اور حالات کے مطابق اسلامی عقائد اور تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی۔

معلومات کی جانچ

INSTRUCTIONAL MEDIA CENTRE LIBRARY
Accn. No BA-036
Date 03.08.2011
MANUU
HYDERABAD

1۔ علم کلام کی پہلی درس گاہ کون سی تھی؟

2۔ علم کلام کو علم کلام کے نام سے شہرت کس زمانے میں حاصل ہوئی؟

3۔ امام غزالی کا تعلق علم کلام کے کس دور سے ہے؟

8.8 خلاصہ

خلاصہ یہ کہ علم کلام میں مذہب کی الہامی تعلیمات (عقائد) کو عقلی اصطلاحوں میں بیان کیا جاتا ہے اور جو لوگ کہ مذہب پر یقین نہیں رکھتے یا مذہب کے بارے میں ان کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں انہیں ان کی عقل کے مطابق دلائل فراہم کر کے مطمئن کیا جاتا ہے۔ اس علم کے حصول کے بعد آدمی کے اندر یہ قدرت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دلیل دے کر اور شکوک وشبہات کا ازالہ کر کے مذہبی عقائد کو ثابت کر سکے۔ اسی طرح علم کلام خالص اسلامی علم ہے جو مسلمانوں کے درمیان پیدا ہوا، مسلم سماج کے اندر ہی پروان چڑھا اور مسلمانوں میں ہی اسے فروغ حاصل ہوا۔ دیگر اسلامی علوم کی طرح گو کہ علم کلام کی بھی باضابطہ تدوین بعد کے ادوار میں عمل میں آئی اور عباسی دور میں یہ اپنے عروج وکمال کو پہنچا، لیکن اس علم کی بنیادی اور اساسی باتیں قرآن مجید میں نہ صرف یہ کہ پہلے سے موجود تھیں بلکہ صحابہ

کرامؒ اثبات عقائد میں ان دلیلوں سے کام بھی لیتے تھے۔علم کلام اپنے آغاز کے بعد ارتقاء کے مختلف مراحل سے گزرا، اس کی ابتدائی تدوین میں اگر معتزلہ پیش پیش تھے تو اشاعرہ نے اسے یونانی اثرات سے پاک کیا۔ ابوالہذیل علاف سے شاہ ولی اللہ تک متکلمین کا ایک زریں سلسلہ ہے جن کی تصنیفات نے ہمیشہ دفاع اسلام کی خدمت تو انجام دی ہی' ایسے اصول بھی فراہم کیے جن کی روشنی میں علم کلام کا سفر آگے بڑھتا رہا اور یونانیوں کی قیاسی منطق سے نکل کر دور جدید کی تجرباتی منطق کے دور میں داخل ہوا۔

8.9 نمونے کے امتحانی سوالات

1۔ علم کلام کی تعریف کے ساتھ اس کی وجہ تسمیہ بیان کریں۔

2۔ علم کلام کے آغاز وارتقاء پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔

3۔ علم کلام کے دور ثانی پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

4۔ علم کلام کے دور ثالث کی خصوصیات بیان کریں۔

8.10 فرہنگ الفاظ

تحزبات	گروہ بندی
السابقون الاولون	سب سے پہلے اٹھنے والے لوگ
تعرض	زیر بحث لانا

8.11 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

1۔ شیخ ابوزہرہ: تاریخ مذاہب اسلامیہ

2۔ خواجہ عباد اللہ اختر: مذاہب اسلامیہ

3۔ پروفیسر عبدالحی انور: مطالعہ تقابل ادیان

4۔ علامہ شبلی نعمانی: علم الکلام